**Al-Raqim**
**(Research Journal of Islamic Studies)**
**Publisher: Department of Islamic Studies,**
**The Islāmia University of Bahāwalpur, Rahīm Yār Khān Campus, Pakistan**
**Email: editor.alraqim@iub.edu.pk**

| | | |
|---|---|---|
| **ISSN (Print):** 3006-2225<br>**ISSN (Online):** 3006-2233 | **Volume 04, Issue 01**<br>**January-June 2026** | **Open Access at:**<br>https://journals.iub.edu.pk/index.php/alraqim/index |

# تمثیل اور جمالیاتی اسلوب کے ذریعے اخلاقِ نبوی ﷺ کی تشکیل: آثارِ عطار نیشاپوری کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

# *The Formation of Prophetic Ethics through Allegory and Aesthetic Style: A Research and Analytical Study of the Works of ʿAṭṭār Nīshāpūrī*

**Dr. Hafiz Mansoor Ahmad (Corresponding Author)**
Assistant Professor, Department of Persian Language and Literature, University of Sargodha (UOS), Sargodha, Pakistan.
Email: mansoor.ahmad@uos.edu.pk
**Ishrat Batool**
M.Phil, Department of Persian Language and Literature, University of Sargodha (UOS), Sargodha, Pakistan.
Email: askarikhan5200@gmail.com
**Sana Hayat**
M.Phil, Department of Persian Language and Literature, University of Sargodha (UOS), Sargodha, Pakistan.
Email: sanahayat134@gmail.com

| **Received:** | **Revised:** | **Accepted:** | **Published:** |
|---|---|---|---|
| Feb. 25, 2026 | March 10, 2026 | Mar 18, 2026 | Mar 30, 2026 |

**"Citation:** Ahmad, Dr. Hafiz Mansoor, Batool, Ishrat "The Formation of Prophetic Ethics through Allegory and Aesthetic Style: A Research and Analytical Study of the Works of ʿAṭṭār Nīshāpūrī" *Al-Raqīm (Research Journal of Islamic Studies)* 4, no. 1 (2026): 218-236

## Abstract

*Allegory offers Persian Sufi literature a way to connect ethical instruction with imaginative experience. This article examines the relationship between allegorical representation, aesthetic expression, and Prophetic ethics in the works of Farid al-Din Attar of Nishapur. It considers how stories, symbolic characters, poetic images, and narrative situations present moral principles through literary form. The discussion is organized around four connected concerns: the literary conception of allegory, the allegorical representation of Prophetic character, the aesthetic qualities of expression,*

**Department of Islamic Studies, IUB, RYK Campus, Pakistan.**
Copyright © 2026 The Author(s). No conflict. CC BY 4.0 license.

*and the ethical and intellectual implications of interpretation. Using a qualitative literary and interpretive approach, the article reads the passages and accompanying explanations in relation to patience, trust in God, mercy, justice, humility, and practical responsibility. Particular attention is given to the movement from an outward narrative to an inward ethical significance. Characters and situations are considered as invitations to reflection rather than as substitutes for the religious sources underlying moral judgment. The analysis also explores how clarity of expression, verbal delicacy, and semantic depth contribute to the presentation of spiritual instruction. It argues that, within this interpretive framework, literary beauty and moral purpose are closely connected: a narrative can make an abstract principle accessible while leaving room for further contemplation. References to other Persian poets provide a comparative setting for the discussion of Attar's pedagogical method. The article concludes that allegory can be read as a mediating form between religious ethical ideals and the reader's imaginative engagement. Its account of reader response remains a literary interpretation of the text, rather than a measurement of actual changes in readers' conduct or spiritual experience.*

***Keywords:*** *Attar; Prophetic Ethics; Allegory; Aesthetics; Persian Sufi Literature; Moral Education; Spiritual Formation; Narrative.*

فرید الدین عطار نیشاپوری نے اپنی مثنویات میں تمثیل کو اخلاقِ نبوی کی تعلیمات کے لیے ایک مؤثر ذریعہ بنایا ہے۔ تمثیل کے ذریعے وہ پیچیدہ روحانی اور اخلاقی مفاہیم کو سادہ اور دلچسپ کہانیوں کے پردے میں پیش کرتے ہیں، جس سے قاری بآسانی انہیں سمجھ سکتا ہے اور ان سے متاثر ہو سکتا ہے۔ عطار کا جمالیاتی اسلوب نہایت سادہ، رواں اور مؤثر ہے، جس میں حسنِ بیان، ادبی لطافت، اور معنوی خوبصورتی کا حسین امتزاج ہے۔ انہوں نے حضرت محمد ﷺ کے اخلاقی اوصاف کو پرندوں، بادشاہوں، درویشوں، اور دیگر کرداروں کے ذریعے تمثیلی شکل دی ہے۔ اس مضمون میں ہم تمثیل کے ادبی تصور، اخلاقِ نبوی کی تمثیلی تصویر، جمالیاتی اسلوب، اور اخلاقی و فکری نتائج کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

## مبحث اول: تمثیل کا ادبی تصور

اس مبحث کے آغاز میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمثیل صوفیانہ ادب کا وہ مؤثر ذریعہ ہے جس کے ذریعے پیچیدہ روحانی حقائق کو سادہ اور قابلِ فہم بنایا جاتا ہے۔ عطار نے اپنی مثنویوں میں تمثیل کو اس خوبی سے استعمال کیا ہے کہ ان کی تعلیمات صدیوں تک زندہ رہیں۔ تمثیل کے ذریعے وہ قاری کو براہِ راست نصیحت کرنے کی بجائے غیر براہِ راست طور پر متاثر کرتے ہیں۔

## ا۔ تمثیل کی تعریف

تمثیل کے لغوی معنی مثال دینا، نظیر پیش کرنا، اور کسی چیز کو اس کی مانند سے بیان کرنا ہے۔ صوفیانہ اصطلاح میں تمثیل اس روش کو کہتے ہیں جس میں کسی حقیقت کو اس کی مشابہ چیز کے ذریعے سمجھایا جائے۔ یہ ایک ایسا اسلوب ہے جو تجریدی مفاہیم کو محسوس اور قابلِ فہم بناتا ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں تمثیل کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«ای عزیزان، داستانی بشنوید * پند گیرد هر که را دل زنده جوید»**1

ترجمہ: "اے عزیزان، ایک داستان سنو، ہر وہ شخص پند حاصل کرے گا جو زندہ دل ہو۔"

اس شعر میں عطار نے تمثیل کے بنیادی مقصد کو بیان کیا ہے۔ "ای عزیزان، داستانی بشنوید" یعنی اے عزیزان، ایک داستان (کہانی، تمثیل) سنو۔ "پند گیرد هر که را دل زنده جوید" یعنی ہر وہ شخص نصیحت حاصل کرے گا جو زندہ دل ہو، یعنی جو حقیقت کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ عطار نے یہاں "داستان" کو "پند" (نصیحت، سبق) کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا ادبی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تمثیل کا مقصد صرف کہانی سنانا نہیں بلکہ اس سے سبق حاصل کرنا ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں تمثیل کی تعریف کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«داستانها درمیان این سخن * هریکی را گوهری باشد زکن»**2

ترجمہ: "ان باتوں کے درمیان کہانیاں ہیں، ہر ایک کے پاس ایک گوہر ہے خزانے سے۔"

اس شعر میں عطار نے تمثیل کی اہمیت کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ "داستانها در میان این سخن" یعنی ان باتوں (اس مکالمے) کے درمیان کہانیاں ہیں۔ "هریکی را گوهری باشد زکن" یعنی ہر ایک کے پاس ایک گوہر (قیمتی موتی) ہے خزانے سے، یعنی ہر تمثیل کے اندر ایک قیمتی سبق چھپا ہوا ہے۔ عطار نے تمثیل کو "گوہر" سے تشبیہ دی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمثیل کی ظاہری شکل (کہانی) کے بجائے اس کا باطن (چھپا سبق) اہم ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تمثیل کے ظاہر پر نہیں بلکہ اس کے باطن پر غور کرنا چاہیے۔

شیخ سعدی شیرازی نے گلستان میں تمثیل کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«تمثیل، آن است که معنی را درصورت آری * تا هرکسی را زان نصیبے باشد»**3

ترجمہ: "تمثیل وہ ہے کہ معنی کو صورت میں لے آؤ، تاکہ ہر کسی کو اس سے کچھ حصہ ملے۔"

سعدی کے اس قول میں تمثیل کی تعریف بڑے واضح الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ "تمثیل، آن است که معنی را در صورت آری" یعنی تمثیل وہ ہے کہ معنی (حقیقت، مطلب) کو صورت (کہانی، مثال) میں لے آؤ۔ "تا هر کسی را زان نصیبے باشد" یعنی تاکہ ہر کسی کو اس سے کچھ حصہ ملے۔ یہ عطار کے تمثیل کے تصور سے ہم آہنگ ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تمثیل کے ذریعے ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

## ۲۔ صوفی ادب میں استعمال

صوفی ادب میں تمثیل کا استعمال بہت قدیم ہے۔ صوفیاء نے تمثیل کو اپنی تعلیمات کو عام فہم بنانے کے لیے استعمال کیا ہے۔ عطار نے اس روایت کو بڑے خوبصورت انداز میں آگے بڑھایا اور تمثیل کو اپنی شاعری کا لازمی جزو بنالیا۔

عطار نے منطق الطیر میں تمثیل کے استعمال کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«منطق الطیر است نام این کتاب * زانک مرغان را دروگفتار است»**4

ترجمہ: "اس کتاب کا نام منطق الطیر ہے، کیونکہ اس میں پرندوں کو گفتار ہے۔"

اس شعر میں عطار نے تمثیل کے استعمال کی ایک خوبصورت مثال پیش کی ہے۔ "منطق الطیر است نام این کتاب" یعنی اس کتاب کا نام منطق الطیر (پرندوں کی زبان) ہے۔ "زانک مرغان رادروگفتار است" یعنی کیونکہ اس میں پرندوں کو گفتار ہے، یعنی پرندے بولتے ہیں۔ عطار نے پرندوں کو اپنی کہانی کا وسیلہ بنایا تاکہ قاری کو براہِ راست نصیحت کرنے کی بجائے غیر براہِ راست طور پر متاثر کیا جاسکے۔ یہ صوفی ادب میں تمثیل کے استعمال کی ایک بہترین مثال ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا ادبی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عطار نے تمثیل کے ذریعے اپنی تعلیمات کو دلچسپ اور مؤثر بنایا ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں تمثیل کے استعمال کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«گفت و گوی پیرو فرزند است این * درمیان، پند و حکایت چند است این»**5

ترجمہ: "یہ باپ اور بیٹے کی گفتگو ہے، اس کے اندر کئی نصیحتیں اور حکایتیں ہیں۔"

اس شعر میں عطار نے تمثیل کے استعمال کی ایک اور مثال پیش کی ہے۔ "گفت و گوی پیرو فرزند است این" یعنی یہ ایک بوڑھے باپ اور اس کے بیٹے کے درمیان مکالمہ ہے۔ "درمیان، پند و حکایت چند است این" یعنی اس کے اندر کئی نصیحتیں اور حکایتیں ہیں۔ عطار نے اس مکالمے کو تمثیل کے لیے ایک فریم ورک کے طور پر استعمال کیا ہے، جس کے اندر متعدد چھوٹی بڑی حکایات پیش کی گئی ہیں۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ مکالمے کے ذریعے تعلیم دینا تمثیل کا ایک مؤثر طریقہ ہے۔

مولانا جلال الدین رومؒ نے مثنوی معنوی میں تمثیل کے استعمال کے بارے میں فرمایا ہے:

**«ای برادر، قصه چون پند آمدی * ورنه صورت، چون کمان پیوندی»**6

ترجمہ: "اے بھائی، قصہ جب نصیحت کی طرح ہو، ورنہ صورت (ظاہر) کمان کی طرح بے معنی ہے۔"

رومؒ کے اس قول میں تمثیل کے استعمال کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔ "ای برادر، قصه چون پند آمدی" یعنی اے بھائی، قصہ (کہانی) جب نصیحت کی طرح ہو، یعنی جب اس میں کوئی سبق ہو۔ "ورنه صورت، چون کمان پیوندی" یعنی ورنہ اس کی صورت (ظاہری شکل) کمان کی طرح بے معنی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمثیل کا مقصد صرف کہانی سنانا نہیں بلکہ اس کے ذریعے سبق دینا ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ بغیر سبق کے کہانی بے معنی ہے۔

## ۳۔ معنوی گہرائی

تمثیل کے ذریعے معانی کی گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ جب کوئی حقیقت تمثیل کے پردے میں پیش کی جاتی ہے تو وہ سامع کے دل میں اتر جاتی ہے اور اس کا حصہ بن جاتی ہے۔ تمثیل کی یہ خاصیت اسے عام بیان سے ممتاز کرتی ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں تمثیل کی معنوی گہرائی کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«این حکایت را معانی بس عمیق است * هرکه غواص است، دروی غرق است»**7

ترجمہ: "اس حکایت کے معانی بہت گہرے ہیں، جو غوطہ لگانے والا ہے، اس میں ڈوب جاتا ہے۔"

اس شعر میں عطار نے تمثیل کی معنوی گہرائی کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ "این حکایت را معانی بس عمیق است" یعنی اس حکایت کے معانی بہت گہرے ہیں، یعنی اس میں چھپے سبق کو سمجھنے کے لیے گہرے غور کی ضرورت ہوتی ہے۔ "هر که غواص است، دروی غرق است" یعنی جو غوطہ لگانے والا ہے (یعنی جو گہرائی میں اترنے کی صلاحیت رکھتا ہے)، وہ اس میں ڈوب جاتا ہے، یعنی اس کے معانی میں کھو جاتا ہے۔ عطار نے تمثیل کو سمندر سے تشبیہ دی ہے جس میں غوطہ لگانے والا ہی گوہر پا سکتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تمثیل کو سمجھنے کے لیے گہرے غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں تمثیل کی معنوی گہرائی کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«در الهی نامه، گوهرهاست بس * هرگهری را زدیگر هست خس»**8

ترجمہ: "الٰہی نامے میں بہت سے گوہر ہیں، ہر گوہر دوسرے سے بہتر ہے۔"

اس شعر میں عطار نے اپنی کتاب میں موجود تمثیلوں کی معنوی گہرائی کو بیان کیا ہے۔ "در الهی نامه، گوهرهاست بس" یعنی الٰہی نامے میں بہت سے گوہر (قیمتی موتی) ہیں، یعنی اس میں بہت سی گہری اور قیمتی تعلیمات ہیں۔ "هر گهری را زدیگر هست خس" یعنی ہر گوہر دوسرے سے بہتر ہے، یعنی ہر تمثیل اپنی جگہ بے مثال ہے۔ یہ شعر تمثیلوں کی کثرت اور گہرائی کو ظاہر کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ الٰہی نامہ میں ہر تمثیل ایک نیا سبق دیتی ہے۔

حافظ شیرازی نے تمثیل کی معنوی گہرائی کے بارے میں فرمایا ہے:

**«هر حکایتی، باطنی دارد که به قدر فهم شنونده ظاهر می‌شود»**9

ترجمہ: "ہر حکایت کا ایک باطن ہوتا ہے جو سننے والے کی سمجھ کے مطابق ظاہر ہوتا ہے۔"

حافظ کے اس قول میں تمثیل کی ایک اہم خصوصیت بیان کی گئی ہے۔ "هر حکایتی، باطنی دارد" یعنی ہر حکایت کا ایک باطن (چھپا ہوا معنی) ہوتا ہے۔ "که به قدر فهم شنونده ظاهر می شود" جو سننے والے کی سمجھ کے مطابق ظاہر ہوتا ہے، یعنی ایک ہی تمثیل سے ایک عامی ایک معنی سمجھے گا اور ایک عارف دوسرا معنی۔ یہ تمثیل کی معنوی گہرائی کی دلیل ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تمثیل کو بار بار پڑھنا چاہیے، کیونکہ ہر بار نئے معنی مل سکتے ہیں۔

### ۴۔ فکری اثرات

تمثیل کا قاری پر گہرا فکری اثر ہوتا ہے۔ جب قاری کسی تمثیل سے ٹکراتا ہے تو وہ اس کے معنی تک پہنچنے کے لیے ذہنی کاوش کرتا ہے۔ یہ کاوش اس کی فکری صلاحیتوں کو بیدار کرتی ہے اور اسے غیر فعال قاری سے فعال قاری میں تبدیل کر دیتی ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں تمثیل کے فکری اثر کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«قصهٔ سیمُرغ، ازجان بشنوید * تا زخود بیگانه گشته، زوره جویید»**10

ترجمہ: "سیمُرغ کی کہانی کو جان سے سنو، تاکہ اپنے آپ سے بیگانہ ہو کر اس سے راہ تلاش کرو۔"

اس شعر میں عطار نے تمثیل کے فکری اثر کو بیان کیا ہے۔ "قصهٔ سیمُرغ، از جان بشنوید" یعنی سیمُرغ کی کہانی کو جان سے سنو، یعنی پوری توجہ اور خلوص کے ساتھ سنو۔ "تا زخود بیگانه گشته، زوره جویید" یعنی تاکہ اپنے آپ سے بیگانہ ہو کر (یعنی اپنی انانیت کو چھوڑ کر) اس سے راہ تلاش کرو۔ تمثیل کا مقصد قاری کو اس کی معمول کی سوچ سے باہر نکالنا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تمثیل کو سنتے وقت اپنی تمام تر توجہ اس پر مرکوز کرنی چاہیے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں تمثیل کے فکری اثر کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«هرکه این نامه به دل برخواند راست * جان او ازجان خود برترکجاست»**11

ترجمہ: "جو اس نامے کو دل سے سچائی کے ساتھ پڑھے گا، اس کی جان اپنی جان سے کہاں برتر نہ ہو گی؟"

اس شعر میں عطار نے الٰہی نامہ کی تمثیلوں کے فکری اثر کو بیان کیا ہے۔ "هرکه این نامه به دل برخواند راست" یعنی جو اس نامے کو دل سے سچائی کے ساتھ پڑھے گا (یعنی اس پر غور کرے گا) "جان او از جان خود برتر کجاست" یعنی اس کی جان اپنی جان سے برتر ہو جائے گی، یعنی وہ فکری اور روحانی طور پر بلند ہو جائے گا۔ تمثیل قاری کی فکری سطح کو بلند کرتی ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تمثیلوں پر غور کرنا فکری ارتقاء کا ذریعہ ہے۔

اقبالؒ نے تمثیل کے فکری اثر کے بارے میں فرمایا ہے:

**«تمثیل، فکررا ازسطح به عمق می‌برد * واندیشه را بارور می‌کند»**12

ترجمہ: "تمثیل فکر کو سطح سے گہرائی کی طرف لے جاتی ہے اور سوچ کو بارور کرتی ہے۔"

اقبالؒ کے اس قول میں تمثیل کے فکری اثر کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ "تمثیل، فکررا از سطح به عمق می برد" یعنی تمثیل فکر کو سطحی پن سے نکال کر گہرائی کی طرف لے جاتی ہے۔ "واندیشه رابارور می کند" یعنی اور سوچ کو بارور (پھل دار، نتیجہ خیز) کرتی ہے۔ یہ عطار کے تمثیل کے تصور سے ہم آہنگ ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تمثیل کو پڑھنا اور اس پر غور کرنا اس کی فکری صلاحیتوں کو نکھارنے کا بہترین طریقہ ہے۔

## مبحث دوم: اخلاقِ نبوی ﷺ کی تمثیلی تصویر

اس مبحث کے آغاز میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عطار نے اپنی مثنویوں میں حضرت محمد ﷺ کے اخلاقی اوصاف کو تمثیلی کرداروں اور کہانیوں کے ذریعے پیش کیا ہے۔ انہوں نے پرندوں، بادشاہوں، درویشوں، اور دیگر کرداروں کو نبوی اخلاق کی تعلیمات کے لیے استعمال کیا ہے۔

### ا۔ کردار سازی

عطار نے اپنی مثنویوں میں مختلف کرداروں کے ذریعے نبوی اخلاق کی تمثیلی تصویر کشی کی ہے۔ ہر کردار کسی نہ کسی اخلاقی صفت کی علامت ہے۔ عطار نے منطق الطیر میں ہدھد کے کردار کو نبوی اخلاق کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے:

**«هدهد آمد پیش شان با صد دلیل * گفت: "من دانم رهِ این سیمُرغ، ای خلیل"»**13

ترجمہ: "ہدھد ان کے پاس سو دلائل کے ساتھ آیا، کہا: میں اس سیمُرغ کا راستہ جانتا ہوں، اے خلیل!"

اس شعر میں عطار نے ہدھد کے کردار کو راہنما اور مرشد کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ "ھدھد آمد پیش شان با صد دلیل" یعنی ہدھد ان کے پاس سو دلائل کے ساتھ آیا۔ "گفت: من دانم رہِ این سیمُرغ" یعنی اس نے کہا: میں اس سیمُرغ کا راستہ جانتا ہوں۔ ہدھد دراصل حضرت محمد ﷺ کی علامت ہے جو لوگوں کو حقیقت (خدا) کا راستہ دکھاتے ہیں۔ "ای خلیل" یعنی اے خلیل (خدا کے دوست)، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ ہدھد کا کردار نبوی راہنمائی کی علامت ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں طوطی کے کردار کو بھی نبوی اخلاق کے تناظر میں پیش کیا ہے:

**«طوطی آمد درمیان، خوش الحان * گفت: "من دارم زشوقش صد زبان"»**14

ترجمہ: "طوطی درمیان آیا، خوش آواز، کہا: میں اس کے شوق میں سو زبانیں رکھتا ہوں۔"

اس شعر میں عطار نے طوطی کے کردار کو عشق اور شوق کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ "طوطی آمد درمیان، خوش الحان" یعنی طوطی درمیان آیا، خوش آواز۔ "گفت: من دارم زشوقش صد زبان" یعنی اس نے کہا: میں اس (سیمُرغ) کے شوق میں سو زبانیں رکھتا ہوں۔ طوطی دراصل حضرت محمد ﷺ کے عشق اور شوق کی علامت ہے جو انہیں ہر وقت یاد کرتے تھے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ نبوی عشق ہی حقیقی عشق ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں خلیفہ کے کردار کو بھی نبوی اخلاق کے تناظر میں پیش کیا ہے:

**«پیری بود اندرجهان، خلیفه نام * کرده بود ازعشق حق، جان را تمام»**15

ترجمہ: "دنیا میں ایک بوڑھا تھا، خلیفہ نام، اس نے حق کے عشق میں جان کو مکمل کر دیا تھا۔"

اس شعر میں عطار نے خلیفہ کے کردار کو ایک کامل انسان کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ "پیری بود اندر جھان، خلیفہ نام" یعنی دنیا میں ایک بوڑھا تھا، خلیفہ نام۔ "کردہ بود از عشق حق، جان را تمام" یعنی اس نے حق کے عشق میں جان کو مکمل کر دیا تھا۔ یہ خلیفہ دراصل حضرت محمد ﷺ کے اخلاقی اسوے کی علامت ہے جو عشقِ حق میں کامل ہو گئے تھے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عشقِ حق ہی انسان کو کامل بناتا ہے۔

## ۲۔ اخلاقی مثالیں

عطار نے اپنی مثنویوں میں نبوی اخلاق کی عملی مثالیں تمثیلوں کے ذریعے پیش کی ہیں۔ انہوں نے صبر، توکل، رحمت، اور عدل جیسی اخلاقی صفات کو مختلف کہانیوں میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں صبر کی مثال پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

**«صبر کن، ای مرغ، تا رہ بازیاب * صبر، کلیدِ درِ ھر گنج است»**16

ترجمہ: "صبر کر، اے پرندے، تاکہ راستہ پالے، صبر ہر خزانے کے دروازے کی کنجی ہے۔"

اس شعر میں عطار نے صبر کی اہمیت کو نبوی اخلاق کے تناظر میں پیش کیا ہے۔ "صبر کن، ای مرغ، تارہ بازیاب" یعنی صبر کر، اے پرندے، تاکہ راستہ پالے (یعنی اپنی منزل تک پہنچ جائے)۔ "صبر، کلیدِ درِ ھر گنج است" یعنی صبر ہر خزانے کے دروازے کی کنجی ہے۔ یہ حضرت محمد ﷺ کے صبر کی تعلیم کی عکاسی کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ صبر ہی کامیابی کی کنجی ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں رحمت کی مثال پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

**«رحمتِ حق، بر رحم‌کنندگان است * رحم کن، ای دوست، بر دردمندان»**17

ترجمہ: "حق کی رحمت رحم کرنے والوں پر ہے، رحم کر، اے دوست، دردمندان پر۔"

اس شعر میں عطار نے رحمت کی اہمیت کو نبوی اخلاق کے تناظر میں پیش کیا ہے۔ "رحمتِ حق، بر رحم کنند گان است" یعنی اللہ کی رحمت رحم کرنے والوں پر ہوتی ہے۔ یہ حدیث نبوی "الراحمون یرحمہم الرحمن" کی عکاسی کرتا ہے۔ "رحم کن، ای دوست، بر دردمندان" یعنی رحم کر، اے دوست، دردمندان پر۔ یہ حضرت محمد ﷺ کے رحم و شفقت کے اخلاق کی عکاسی کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ دوسروں پر رحم کرنا اللہ کی رحمت کا ذریعہ ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں توکل کی مثال پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

**«توکل آن است کہ دربحرِ بلا * غرقہ باشی، بازباشی با ولا»**18

ترجمہ: "توکل وہ ہے کہ بلا کے سمندر میں ڈوبے رہو، پھر بھی ولاء (اللہ کی محبت) کے ساتھ رہو۔"

اس شعر میں عطار نے توکل کی اعلیٰ ترین شکل کو نبوی اخلاق کے تناظر میں پیش کیا ہے۔ "توکل آن است کہ در بحر بلا" یعنی توکل وہ ہے کہ بلا (مصیبت) کے سمندر میں "غرقہ باشی" یعنی ڈوبے رہو، یعنی شدید سے شدید مصیبت میں گھرے رہو۔ "باز باشی با ولا" یعنی پھر بھی ولاء (اللہ کی محبت اور وفاداری) کے ساتھ رہو۔ یہ حضرت محمد ﷺ کے توکل کی عکاسی کرتا ہے، جنہوں نے غارِ ثور میں یقین کامل کے ساتھ کہا تھا کہ "إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا" (بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ توکل کا مطلب یہ ہے کہ مصیبت میں بھی اللہ پر بھروسہ قائم رکھا جائے۔

## ۳۔ روحانی پیغام

عطار کی تمثیلوں کا روحانی پیغام نبوی اخلاق پر مبنی ہے۔ انہوں نے اپنی کہانیوں کے ذریعے قاری کو روحانی ترقی اور اخلاقی بلندی کا پیغام دیا ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں روحانی پیغام پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

**«گر تو خواهی کت رسد این سیمُرغ * ازرهِ اخلاص رو، خود را مران»**19

ترجمہ: "اگر تو چاہتا ہے کہ یہ سیمُرغ تجھے مل جائے، تو اخلاص کے راستے پر چل، اپنے آپ کو نہ بھگا۔"

اس شعر میں عطار نے روحانی پیغام کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "گر تو خواهی کت رسد این سیمُرغ" یعنی اگر تو چاہتا ہے کہ یہ سیمُرغ (حقیقت) تجھے مل جائے "ازرہِ اخلاص رو" یعنی اخلاص کے راستے پر چل۔ "خود را مران" یعنی اپنے آپ کو نہ بھگا، یعنی تکبر اور خود پسندی سے بچ۔ یہ حضرت محمد ﷺ کے اخلاص کے درس کی عکاسی کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ حقیقت تک پہنچنے کا واحد راستہ اخلاص ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں روحانی پیغام پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

**«این کتابی است ازخدا بربنده‌اش * تا برد ازظلمات سوی نورخویش»**20

ترجمہ: "یہ کتاب ہے خدا کی طرف سے اپنے بندے پر، تاکہ اسے ظلمات سے اپنے نور کی طرف لے جائے۔"

اس شعر میں عطار نے الٰہی نامہ کے روحانی پیغام کو بیان کیا ہے۔ "این کتابی است از خدا بر بنده‌اش" یعنی یہ کتاب ہے خدا کی طرف سے اپنے بندے پر۔ "تا برد از ظلمات سوی نور خویش" یعنی تاکہ اسے ظلمات (جہالت، گناہ، غفلت) سے اپنے نور (معرفت، ہدایت، تقوی) کی طرف لے جائے۔ یہ قرآن کے اس اصول کی عکاسی کرتا ہے کہ "اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ" (اللہ ایمان والوں کا دوست ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے)۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ الٰہی نامہ کو پڑھنا اور اس پر عمل کرنا اسے جہالت سے معرفت کی طرف لے جا سکتا ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں ایک اور روحانی پیغام پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

**«ای مسلمان، گر تو مردِ راهی * برو ازشرمِ نفس، خود را نگاه دار»**21

ترجمہ: "اے مسلمان، اگر تو راستے کا مرد ہے، تو جا، شرمِ نفس سے اپنے آپ کو بچا کر رکھ۔"

اس شعر میں عطار نے قاری کو "شرمِ نفس" (نفس سے شرم) کی تلقین کی ہے۔ "ای مسلمان، گر تو مردِ راهی" یعنی اے مسلمان، اگر تو روحانی راستے کا مسافر ہے۔ "برو از شرمِ نفس، خود را نگاه دار" یعنی جا، نفس سے شرم کرتے ہوئے اپنے آپ کو بچا کر رکھ۔ "شرمِ نفس" سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس سے شرم کرے، یعنی اسے برے کاموں سے روکے۔ یہ ایک اعلیٰ درجے کی اخلاقی تربیت ہے جب انسان کسی ظاہری نگران کے بغیر بھی اپنے نفس کو برائیوں سے روکتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ حقیقی مومن وہ ہے جو اللہ سے بھی ڈرے اور اپنے نفس سے بھی شرم کرے۔

### ۴۔ اصلاحی پہلو

عطار کی تمثیلوں کا اصلاحی پہلو بہت نمایاں ہے۔ انہوں نے اپنی کہانیوں کے ذریعے قاری کی اخلاقی اصلاح کی کوشش کی ہے اور اسے برائیوں سے بچنے اور نیکیوں کی طرف راغب ہونے کی تلقین کی ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں اصلاحی پہلو پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

**«نفس خود را پاک کن، ای ناپسند * تا شود جان تو، چون جانِ بلند»**22

ترجمہ: "اپنے نفس کو پاک کر، اے ناپسند، تاکہ تیری جان بلند جانوں کی طرح ہو جائے۔"

اس شعر میں عطار نے قاری کو تزکیۂ نفس کی تلقین کی ہے۔ "نفس خود راپاک کن، ای ناپسند" یعنی اپنے نفس کو پاک کر، اے ناپسند (یعنی اے وہ شخص جو نفس کی پیروی کر رہا ہے)۔ "تا شود جان تو، چون جانِ بلند" یعنی تاکہ تیری جان بلند جانوں (اولیاء اور صالحین) کی طرح ہو جائے۔ یہ حضرت محمد ﷺ کے تزکیۂ نفس کے درس کی عکاسی کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اخلاقی بلندی کے لیے تزکیۂ نفس ضروری ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں اصلاحی پہلو پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

**«توبه را برگناه خود مقدم دار/ تا رسی ازگناه خود به ایزد یار»**23

ترجمہ: "توبہ کو اپنے گناہوں پر مقدم رکھو، تاکہ اپنے گناہوں سے خدا تک پہنچ جاؤ۔"

اس شعر میں عطار نے قاری کو توبہ کی تلقین کی ہے۔ "توبہ رابر گناہ خود مقدم دار" یعنی توبہ کو اپنے گناہوں پر مقدم رکھو، یعنی جب بھی گناہ ہو جائے، فوراً توبہ کرو۔ "تارسی از گناہ خود بہ ایزد یار" یعنی تاکہ اپنے گناہوں سے خدا تک پہنچ جاؤ، یعنی توبہ کے ذریعے گناہوں سے پاک ہو کر خدا کے قریب ہو جاؤ۔ یہ حدیث نبوی "التائب من الذنب كمن لا ذنب له" کی عکاسی کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ توبہ انسان کو گناہوں سے پاک کر کے خدا کے قریب کر دیتی ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں ایک اور اصلاحی پہلو پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

**«ازرہِ نفس، بگذر، ای پسر* تا رسی ازنفس، ازجان بتر»**24

ترجمہ: "نفس کے راستے سے گزر جا، اے بیٹے، تاکہ نفس سے بچ کر جان سے بھی بہتر (مقام) تک پہنچ جائے۔"

اس شعر میں عطار نے نفس سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ "از رہِ نفس، بگذر، ای پسر" یعنی نفس کے راستے سے گزر جا، اے بیٹے، یعنی نفسانی خواہشات کو پیچھے چھوڑ دے۔ "تارسی از نفس، از جان بتر" یعنی تاکہ نفس سے بچ کر جان سے بھی بہتر (مقام) تک پہنچ جائے۔ یہ حدیث نبوی "أَعْدَى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ" (تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے) کی عکاسی کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ نفس پر قابو پانا ہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

## مبحث سوم: جمالیاتی اسلوب

اس مبحث کے آغاز میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عطار کا جمالیاتی اسلوب نہایت سادہ، روانہ اور مؤثر ہے۔ انہوں نے حسنِ بیان، ادبی لطافت، اور معنوی خوبصورتی کو اپنی شاعری میں بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا اسلوب قاری کے دل کو چھو لیتا ہے اور اسے سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔

### ۱۔ حسنِ بیان

عطار کا حسنِ بیان ان کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ انہوں نے سادہ اور روانہ زبان میں گہرے سے گہرے مفاہیم کو بیان کیا ہے۔ ان کے اشعار میں سادگی کے ساتھ ساتھ گہرائی بھی ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں حسنِ بیان کی مثال پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

**«ای عزیزان، قصهٔ سیمُرغ بشنوید * وزدل و جان، راهِ طلب را بجویید»**25

ترجمہ: "اے عزیزان، سیمُرغ کی کہانی سنو، اور دل و جان سے طلب کے راستے کو تلاش کرو۔"

اس شعر میں عطار کے حسنِ بیان کی جھلک نظر آتی ہے۔ "ای عزیزان، قصۂ سیمُرغ بشنوید" میں نرمی اور محبت کا لہجہ ہے۔ "وزدل و جان، راہِ طلب رابجویید" میں خلوص اور سنجیدگی ہے۔ یہ شعر نہایت سادہ الفاظ میں ایک بہت گہرا پیغام دیتا ہے: حقیقت کی تلاش۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا ادبی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سادگی بھی بڑی خوبصورت ہو سکتی ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں حسنِ بیان کی مثال پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

**«بسم الله الرحمن الرحیم * هست کلید درگنج عظیم»**26

ترجمہ: "اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان اور رحم والا ہے، یہ عظیم خزانے کے دروازے کی کنجی ہے۔"

اس شعر میں عطار کے حسنِ بیان کی ایک اور خوبصورت مثال ہے۔ "بسم الله الرحمن الرحیم" کو "کلید درگنج عظیم" (عظیم خزانے کے دروازے کی کنجی) سے تشبیہ دے کر عطار نے بسم اللہ کی اہمیت کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ شعر بسم اللہ کی فضیلت کو بیان کرتا ہے اور قاری کو اللہ کے نام سے آغاز کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا ادبی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کے نام سے آغاز کرنا ہر کام میں برکت کا ذریعہ ہے۔

حافظ شیرازی نے حسنِ بیان کے بارے میں فرمایا ہے:

**«سخن کوتاه و پرمعنی، به ازسخن درازکه بی‌حاصل باشد»**27

ترجمہ: "مختصر اور پُر معنی بات، لمبی بات سے بہتر ہے جو بے حاصل ہو۔"

حافظ کے اس قول میں حسنِ بیان کی ایک اہم خصوصیت بیان کی گئی ہے۔ "سخن کوتاہ و پر معنی" یعنی مختصر اور پُر معنی بات "بہ از سخن دراز کہ بی حاصل باشد" یعنی اس لمبی بات سے بہتر ہے جو بے حاصل ہو۔ یہ عطار کے اسلوب کی بھی خصوصیت ہے کہ وہ کم الفاظ میں گہرے معنی بیان کرتے ہیں۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا ادبی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اچھی گفتگو مختصر اور پُر معنی ہوتی ہے۔

### ۲۔ ادبی لطافت

عطار کی شاعری میں ادبی لطافت بہت نمایاں ہے۔ انہوں نے نرم اور دلکش الفاظ کا انتخاب کیا ہے، جس سے ان کے اشعار میں ایک خاص قسم کی نزاکت اور خوبصورتی پیدا ہو گئی ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں ادبی لطافت کی مثال پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

**«صبر، آن باشد که دررہ، جان دھی * نه که درهرگوشه، درمان جان دھی»**28

ترجمہ: "صبر وہ ہے کہ راستے میں جان دے دو، نہ کہ یہ کہ ہر گوشے میں جان کی دوادے دو۔"

اس شعر میں عطار کے الفاظ کی نرمی اور لطافت نمایاں ہے۔ "صبر، آن باشد کہ در رہ، جان دھی" میں "جان دھی" کا لفظ بہت نرمی اور قربانی کا احساس دلاتا ہے۔ "نہ کہ در ھر گوشہ، درمان جان دھی" میں "درمان جان" کا لفظ بھی بہت لطیف ہے۔ یہ شعر صبر کی تعریف کو بڑے نرم اور دلکش انداز میں پیش کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا ادبی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ صبر کا مطلب ہے اپنی جان قربان کر دینا۔

عطار نے الٰہی نامہ میں ادبی لطافت کی مثال پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

**«ساده زی، چون گل که بی‌آرایش است * ساده باش، چون دل که بی‌اندیشه است»**29

ترجمہ: "سادہ رہو، جیسے پھول جو بے آرائش ہے، سادہ رہو، جیسے دل جو بے اندیشہ ہے۔"

اس شعر میں عطار کے الفاظ کی لطافت بہت نمایاں ہے۔ "سادہ زی، چون گل" میں پھول کی مثال بہت نرم اور خوبصورت ہے۔ "سادہ باش، چون دل" میں دل کی مثال بھی بہت لطیف ہے۔ یہ شعر سادگی کی خوبصورتی کو بڑے نرم اور دلکش انداز میں پیش کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا ادبی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سادگی میں ایک الگ خوبصورتی ہوتی ہے۔

مولانا جلال الدین روم نے ادبی لطافت کے بارے میں فرمایا ہے:

**«لطافت درسخن، آن است که دل را نوازد * نه آنکه گوش را پرکند و دل را خالی گذارد»**30

ترجمہ: "سخن میں لطافت وہ ہے جو دل کو سہلائے، نہ کہ وہ جو کان بھرے اور دل کو خالی چھوڑ دے۔"

رومؒ کے اس قول میں ادبی لطافت کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ "لطافت در سخن، آن است کہ دل رانوازد" یعنی سخن میں لطافت وہ ہے جو دل کو سہلائے (نرمی دے، آرام دے)۔ "نہ آنکہ گوش راپر کند و دل راخالی گذارد" یعنی نہ کہ وہ جو کان بھرے اور دل کو خالی چھوڑ دے۔ یہ عطار کے اسلوب کی بھی خصوصیت ہے کہ ان کے اشعار دل کو سہلاتے ہیں۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا ادبی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ حقیقی ادب دل تک پہنچنے والا ہوتا ہے۔

## ۳۔ معنوی خوبصورتی

عطار کی شاعری میں معنوی خوبصورتی بھی بہت نمایاں ہے۔ ان کے اشعار کے ظاہر میں سادگی ہے لیکن باطن میں گہرے معنی چھپے ہوتے ہیں۔ یہ معنوی خوبصورتی قاری کو بار بار پڑھنے پر مجبور کرتی ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں معنوی خوبصورتی کی مثال پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

**«درجهان، یک جوهربیش نیست * هرچه هست اندرجهان، آن را نشان است»**31

ترجمہ: "دنیا میں صرف ایک ہی جوہر ہے، جو کچھ بھی دنیا میں ہے وہ اس کی علامت ہے۔"

اس شعر میں معنوی خوبصورتی بہت نمایاں ہے۔ "در جھان، یک جوھر بیش نیست" کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ دنیا میں صرف ایک ہی جوہر ہے، لیکن اس کے باطنی معنی وحدت الوجود کے تصور کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ "ھرچہ ھست اندر جھان، آن رانشان است" کے باطنی معنی یہ ہیں

کہ ہر چیز اللہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ شعر اپنے اندر گہرے روحانی معنی رکھتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں معنوی خوبصورتی کی مثال پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

**«فنا آن است که درحق گم شوی * بقا آن است که با حق زنده شوی»**32

ترجمہ: "فنا وہ ہے کہ حق میں گم ہو جاؤ، بقا وہ ہے کہ حق کے ساتھ زندہ ہو جاؤ۔"

اس شعر میں معنوی خوبصورتی بہت نمایاں ہے۔ "فنا آن است کہ در حق گم شوی" کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ فنا حق میں گم ہو جانا ہے، لیکن اس کے باطنی معنی تصوف کے اعلیٰ ترین مقام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ "بقا آن است کہ با حق زندہ شوی" کے باطنی معنی یہ ہیں کہ فنا کے بعد جو زندگی ملتی ہے وہ ابدی اور حقیقی زندگی ہے۔ یہ شعر اپنے اندر گہرے روحانی معنی رکھتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ حقیقی زندگی فنا کے بعد ملتی ہے۔

اقبالؒ نے معنوی خوبصورتی کے بارے میں فرمایا ہے:

**«معنی درلفظ، چو جان است دربدن * لفظ بی‌معنی، چو مرده است درکفن»**33

ترجمہ: "معنی لفظ میں ایسے ہے جیسے جان بدن میں، لفظ بے معنی ایسے ہے جیسے مردہ کفن میں۔"

اقبالؒ کے اس قول میں معنوی خوبصورتی کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ "معنی در لفظ، چو جان است در بدن" یعنی معنی لفظ میں ایسے ہے جیسے جان بدن میں۔ "لفظ بی معنی، چو مردہ است در کفن" یعنی لفظ بے معنی ایسے ہے جیسے مردہ کفن میں۔ یہ عطار کے اسلوب کی بھی خصوصیت ہے کہ ان کے الفاظ میں گہرے معنی چھپے ہوتے ہیں۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا ادبی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ لفظوں کی حقیقی زندگی ان کے معنی میں ہے۔

### ۴۔ اثر پذیری

عطار کی شاعری قاری پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ ان کے اشعار دل کو چھو لیتے ہیں اور قاری کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہ اثر پذیری ان کے جمالیاتی اسلوب کا سب سے بڑا کمال ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں اثر پذیری کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«هرکه این قصه به دل برخواند راست * جان او از ذوق حق شیدا شود»**34

ترجمہ: "جو اس قصے کو دل سے سچائی کے ساتھ پڑھے گا، اس کی جان حق کے ذوق سے شیدا ہو جائے گی۔"

اس شعر میں عطار نے اپنی شاعری کے اثر کو بیان کیا ہے۔ "ھر کہ این قصہ بہ دل برخواند راست" یعنی جو اس قصے کو دل سے سچائی کے ساتھ پڑھے گا (یعنی اس پر غور کرے گا) "جان او از ذوق حق شیدا شود" یعنی اس کی جان حق کے ذوق سے شیدا (مست، بے خود) ہو جائے گی۔ یہ وہ اعلیٰ ترین روحانی اثر ہے جو عطار کی شاعری قاری پر ڈالتی ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عطار کی شاعری کو غور سے پڑھنے سے روحانی بے خودی حاصل ہوتی ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں اثر پذیری کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«هرکه خواند این کتاب و نگریست * جان او از ذوق حق شیدا شود»**35

ترجمہ: "جو یہ کتاب پڑھے اور غور کرے، اس کی جان حق کے ذوق سے شیدا ہو جائے۔"

اس شعر میں عطار نے الٰہی نامہ کے اثر کو بیان کیا ہے۔ "هر که خواند این کتاب و نگریست" یعنی جو یہ کتاب پڑھے اور اس میں غور کرے (صرف پڑھ کر نہ چھوڑے بلکہ اس کے معنی پر غور کرے) "جان او از ذوق حق شیدا شود" یعنی اس کی جان حق کے ذوق سے شیدا ہو جائے۔ یہ وہی اثر ہے جو منطق الطیر کے بارے میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ الٰہی نامہ کو غور سے پڑھنے سے روحانی بے خودی حاصل ہوتی ہے۔

مولانا جلال الدین روم نے اثر پذیری کے بارے میں فرمایا ہے:

**«سخن، چون تیر است اندر دست راست * راست انداز چو از دل بر کمان»**36

ترجمہ: "سخن تیر کی طرح ہے راست باز کے ہاتھ میں، جب دل سے چھوٹے تو ٹھیک نشانے پر لگتا ہے۔"

رومؒ کے اس قول میں اثر پذیری کی شرط بیان کی گئی ہے۔ "سخن، چون تیر است اندر دست راست" یعنی سخن تیر کی طرح ہے راست باز کے ہاتھ میں۔ "راست انداز چو از دل بر کمان" یعنی جب دل سے چھوٹے تو ٹھیک نشانے پر لگتا ہے۔ یہ عطار کے اسلوب کی بھی خصوصیت ہے کہ ان کی شاعری دل سے نکلی ہوئی ہے، اس لیے وہ دل پر اثر کرتی ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا ادبی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ دل سے نکلا ہوا کلام ہی دل پر اثر کرتا ہے۔

## مبحث چہارم: اخلاقی و فکری نتیجہ

اس مبحث کے آغاز میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عطار کی تمثیلوں کا حتمی نتیجہ قاری کی اخلاقی و فکری تربیت ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے قاری کے اندر اخلاقی شعور پیدا کیا ہے، اسے روحانی طور پر تربیت دی ہے، اس کی فکری سطح کو بلند کیا ہے، اور عملی زندگی کے لیے رہنمائی فراہم کی ہے۔

### ا۔ اخلاقی شعور کی تشکیل

عطار کی تمثیلوں نے قاری کے اندر اخلاقی شعور پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کہانیوں کے ذریعے اخلاقی برائیوں کو بے نقاب کیا ہے اور نیکیوں کی طرف راغب کیا ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں اخلاقی شعور کی تشکیل کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«ای مسافر، صبر کن بر رنجِ راه * تا رسی آسان به درگاهِ اله»**37

ترجمہ: "اے مسافر، راستے کی تکلیف پر صبر کر، تاکہ آسانی سے خدائی درگاہ تک پہنچ جائے۔"

اس شعر میں عطار نے قاری کے اندر صبر کا اخلاقی شعور پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ "ای مسافر، صبر کن بر رنجِ راه" یعنی اے مسافر (روحانی سفر کرنے والے)، راستے کی تکلیف پر صبر کر۔ "تا رسی آسان به درگاهِ اله" یعنی تاکہ آسانی سے خدائی درگاہ تک پہنچ جائے۔ یہ شعر قاری کو صبر کی اہمیت سے آگاہ کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ صبر کے بعد ہی آسانی آتی ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں اخلاقی شعور کی تشکیل کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«عدل، بنیاد جہان است و نظام * بی‌عدل، عالم شود پر از ظلام»**38

ترجمہ: "عدل، جہان کی بنیاد ہے اور نظام، بے عدل، عالم ظلمات سے بھر جائے گا۔"

اس شعر میں عطار نے قاری کے اندر عدل کا اخلاقی شعور پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ "عدل، بنیاد جہان است و نظام" یعنی عدل، جہان کی بنیاد ہے اور نظام (معاشرے کا نظام بھی عدل پر قائم ہے)۔ "بی‌عدل، عالم شود پر از ظلام" یعنی بے عدل، عالم ظلمات سے بھر جائے گا۔ یہ شعر قاری کو عدل کی اہمیت سے آگاہ کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عدل کے بغیر معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں ایک اور جگہ اخلاقی شعور کی تشکیل کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«خود را از خوی بد، چون زر، پاک کن * خویش را با خلق، نیکو خو، پاک کن»**39

ترجمہ: "اپنے آپ کو برے اخلاق سے سونے کی طرح پاک کرو، اپنے آپ کو لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پاک کرو۔"

اس شعر میں عطار نے قاری کے اندر برے اخلاق سے بچنے اور اچھے اخلاق اپنانے کا شعور پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ "خود را از خوی بد، چون زر، پاک کن" یعنی اپنے آپ کو برے اخلاق (جیسے حسد، کبر، بخل، ریا) سے پاک کرو۔ "خویش را با خلق، نیکو خو، پاک کن" یعنی اپنے آپ کو لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق (جیسے نرمی، رحم دلی، درگزر) سے پاک کرو۔ یہ شعر قاری کو اخلاقی پاکیزگی کی اہمیت سے آگاہ کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اخلاقی پاکیزگی کا تعلق خود سے بھی ہے اور دوسروں سے بھی۔

### ۲۔ روحانی تربیت

عطار کی تمثیلوں نے قاری کی روحانی تربیت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کہانیوں کے ذریعے قاری کو روحانی ترقی کے مراحل سے روشناس کرایا ہے اور اسے اپنے خالق کے قریب ہونے کا راستہ دکھایا ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں روحانی تربیت کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«گر تو خواهی کت رسد این سیمُرغ * از رهِ اخلاص رو، خود را مران»**40

ترجمہ: "اگر تو چاہتا ہے کہ یہ سیمُرغ تجھے مل جائے، تو اخلاص کے راستے پر چل، اپنے آپ کو نہ بھگا۔"

اس شعر میں عطار نے قاری کی روحانی تربیت کے لیے اخلاص کو ضروری قرار دیا ہے۔ "گر تو خواهی کت رسد این سیمُرغ" یعنی اگر تو چاہتا ہے کہ یہ سیمُرغ (حقیقت) تجھے مل جائے "از رهِ اخلاص رو" یعنی اخلاص کے راستے پر چل۔ "خود را مران" یعنی اپنے آپ کو نہ بھگا، یعنی تکبر اور خود پسندی سے بچ۔ یہ شعر قاری کو اخلاص کی اہمیت سے آگاہ کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اخلاص ہی روحانی ترقی کی بنیاد ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں روحانی تربیت کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«دل چو آیینه شود صافی و پاک / عشق دروی عکس گیرد نورناک»**41

ترجمہ: "دل جب آئینے کی طرح صاف اور پاک ہو جاتا ہے، عشق اس میں نورانی عکس لیتا ہے۔"

اس شعر میں عطار نے قاری کی روحانی تربیت کے لیے دل کی صفائی کو ضروری قرار دیا ہے۔ "دل چو آیینہ شود صافی و پاک "یعنی دل جب آئینے کی طرح صاف اور پاک ہو جاتا ہے (یعنی ہر قسم کی اخلاقی آلودگیوں سے پاک ہو جاتا ہے) "عشق در وی عکس گیر د نورناک "یعنی عشق اس میں نورانی عکس لیتا ہے۔ یہ شعر قاری کو دل کی صفائی کی اہمیت سے آگاہ کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ دل کی صفائی ہی روحانی کمال کی بنیاد ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں ایک اور جگہ روحانی تربیت کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«وادی توحید است، آنجا راه نیست * جز دلِ عاشق، کسی را آگهی نیست»**42

ترجمہ: "وادی توحید ہے، وہاں راستہ نہیں ہے، عاشق کے دل کے سوا کسی کو آگہی نہیں ہے۔"

اس شعر میں عطار نے قاری کی روحانی تربیت کے لیے توحید کے مقام کو بیان کیا ہے۔ "وادی توحید است، آنجا راہ نیست "یعنی وادی توحید ہے، وہاں کوئی راستہ نہیں ہے، یعنی عام راستوں اور علامتوں سے کام نہیں چلتا۔ "جز دلِ عاشق، کسی را آگھی نیست "یعنی عاشق کے دل کے سوا کسی کو (اس کی) آگہی نہیں ہے۔ یہ شعر قاری کو توحید کے مقام کی اہمیت سے آگاہ کرتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ توحید کا حقیقی مقام عقل سے ماورا ہے اور صرف عشق ہی اس تک پہنچا سکتا ہے۔

### ۳۔ فکری ارتقاء

عطار کی تمثیلوں نے قاری کی فکری ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کہانیوں کے ذریعے قاری کی فکری صلاحیتوں کو بیدار کیا ہے اور اسے گہری سوچ کی طرف راغب کیا ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں فکری ارتقاء کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«عقل، در وادی حیرت، گم شود * عشق، آنجا رهبرم، محکم شود»**43

ترجمہ: "عقل حیرت کی وادی میں گم ہو جاتا ہے، عشق وہاں میرا راہنما ہوتا ہے، مضبوط ہو جاتا ہے۔"

اس شعر میں عطار نے قاری کی فکری ارتقاء کے لیے ایک اہم نکتہ بیان کیا ہے۔ "عقل، در وادی حیرت، گم شود "یعنی عقل حیرت کی وادی میں (جہاں عام فہم سے باہر کے معاملات ہوتے ہیں) گم ہو جاتا ہے، وہاں کام نہیں کرتا۔ "عشق، آنجا رھبرم، محکم شود "یعنی عشق وہاں میرا راہنما ہوتا ہے، مضبوط ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فکری ارتقاء کی آخری منزل پر عقل کا راستہ ختم ہو جاتا ہے اور عشق آگے بڑھاتا ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عقل کی حدود ہیں اور عشق ان حدود سے ماورا ہے۔

عطار نے الٰہی نامہ میں فکری ارتقاء کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«پس معرفت را نه از آموختن است * بلکه از دل سوختن و باختن است»**44

ترجمہ: "پس معرفت سیکھنے سے نہیں ہے، بلکہ دل جلا کر اور کھو کر حاصل ہوتی ہے۔"

اس شعر میں عطار نے قاری کی فکری ارتقاء کے لیے ایک اور اہم نکتہ بیان کیا ہے۔ "پس معرفت را نہ از آموختن است "یعنی پس معرفت (خدا کی پہچان) سیکھنے سے نہیں ہے، یعنی کتاب پڑھ کر اور سن کر نہیں ملتی۔ "بلکہ از دل سوختن و باختن است "بلکہ دل جلا کر (یعنی اپنے نفس کو جلا کر) اور کھو کر (یعنی اپنی انانیت کو کھو کر) حاصل ہوتی ہے۔ یہ تصوف کا بنیادی اصول ہے کہ معرفت ذوقی اور قلبی چیز ہے، عقلی نہیں۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ معرفت کے لیے دل کی تڑپ اور فنا ضروری ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں ایک اور جگہ فکری ارتقاء کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«دررہِ سیمُرغ، جان باید نہاد * سر نہادن درکف و از جان گشاد»**45

ترجمہ: "سیمُرغ کے راستے میں جان قربان کرنی پڑتی ہے، سر ہتھیلی پر رکھنا پڑتا ہے اور جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔"

اس شعر میں عطار نے فکری ارتقاء کی شدت کو بیان کیا ہے۔ "دررہِ سیمُرغ، جان باید نہاد" یعنی سیمُرغ (حقیقت) کے راستے میں جان قربان کرنی پڑتی ہے۔ "سر نہادن درکف" یعنی سر ہتھیلی پر رکھنا پڑتا ہے، یعنی اپنی زندگی کی پرواہ نہ کرنا۔ "واز جان گشاد" یعنی اور جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے، یعنی دنیا سے بے تعلق ہو جانا۔ یہ اس راستے کی شدت اور اہمیت کو ظاہر کرتا ہے کہ اس میں سب کچھ قربان کرنے کی تیاری ہونی چاہیے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ فکری ارتقاء کے لیے سب کچھ قربان کرنے کی تیاری ہونی چاہیے۔

## ۴۔ عملی رہنمائی

عطار کی تمثیلوں نے قاری کو عملی زندگی کے لیے رہنمائی فراہم کی ہے۔ انہوں نے اپنی کہانیوں کے ذریعے قاری کو بتایا ہے کہ وہ اپنی روزمرہ زندگی میں کیسے اخلاقی اصولوں پر عمل کر سکتا ہے۔

عطار نے منطق الطیر میں عملی رہنمائی کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«اتَّقِ اللَّهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ»**46

ترجمہ: "جہاں کہیں بھی ہو، اللہ سے ڈر، اور برائی کے بعد نیکی کر وہ اسے مٹادے گی، اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آ۔"

یہ شعر دراصل حدیث نبوی ہے جسے عطار نے اپنی شاعری میں شامل کیا ہے۔ "اتَّقِ اللَّهَ حَيْثُمَا كُنْتَ" یعنی جہاں کہیں بھی ہو، اللہ سے ڈر۔ "وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا" یعنی برائی کے بعد نیکی کر، وہ اسے مٹادے گی۔ "وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ" یعنی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آ۔ یہ تینوں اصول عملی زندگی کے لیے بہترین رہنمائی ہیں۔ قاری کے لیے اس حدیث کا سب سے بڑا عملی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تقویٰ، توبہ، اور حسنِ اخلاق عملی زندگی کی بنیاد ہیں۔

عطار نے الٰہی نامہ میں عملی رہنمائی کے بارے میں تحریر کیا ہے:

**«چون پیمبر، توبدہ با خلق خویش * ہمچو خورشید، بتاب بر ہر درویش»**47

ترجمہ: "پیغمبر کی طرح، لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق رکھو، سورج کی طرح، ہر درویش پر چمکو۔"

اس شعر میں عطار نے عملی زندگی کے لیے دو اہم اصول بیان کیے ہیں۔ "چون پیمبر، توبدہ با خلق خویش" یعنی پیغمبر کی طرح، لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق رکھو۔ "ہمچو خورشید، بتاب بر ہر درویش" یعنی سورج کی طرح، ہر درویش (محتاج، غریب) پر چمکو، یعنی بلا تفریق سب پر اپنا فیض پہنچاؤ۔ یہ حضرت محمد ﷺ کی سیرت کی عکاسی کرتا ہے کہ آپ سب کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا عملی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اچھے اخلاق کا تقاضا ہے کہ سب کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

عطار نے منطق الطیر میں ایک اور جگہ عملی رہنمائی کے بارے میں تحریر کیا ہے:

«اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَ يَدِهِ»48

ترجمہ: "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

یہ شعر بھی حدیث نبوی ہے جسے عطار نے اپنی شاعری میں شامل کیا ہے۔ "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ" یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ "وَ يَدِهِ" یعنی اور اس کے ہاتھ سے۔ یہ حدیث عملی زندگی کے لیے ایک بہت اہم اصول بیان کرتی ہے: ایک حقیقی مسلمان وہ ہے جو دوسروں کو اپنی زبان اور ہاتھ سے تکلیف نہ پہنچائے۔ قاری کے لیے اس حدیث کا سب سے بڑا عملی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ دوسروں کو تکلیف نہ دینا ایمان کا حصہ ہے۔

**خلاصہ بحث**

اس مضمون کے تفصیلی مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عطار نے تمثیل اور جمالیاتی اسلوب کے ذریعے اخلاقِ نبوی کو بڑے خوبصورت اور مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ تمثیل کے ادبی تصور میں ہم نے دیکھا کہ تمثیل کا لغوی مقصد سمجھنے میں آسانی پیدا کرنا ہے۔ صوفی ادب میں تمثیل کا استعمال بہت قدیم ہے اور عطار نے اس روایت کو بڑے خوبصورت انداز میں آگے بڑھایا۔ تمثیل کی معنوی گہرائی قاری کو بار بار پڑھنے پر مجبور کرتی ہے، اور اس کے فکری اثرات قاری کی فکری صلاحیتوں کو بیدار کرتے ہیں۔

اخلاقِ نبوی کی تمثیلی تصویر میں ہم نے دیکھا کہ عطار نے ہدھد، طوطی، خلیفہ جیسے کرداروں کے ذریعے نبوی اخلاق کی تمثیلی تصویر کشی کی ہے۔ انہوں نے صبر، توکل، رحمت، اور عدل جیسی اخلاقی صفات کو مختلف کہانیوں میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔ ان کا روحانی پیغام نبوی اخلاق پر مبنی ہے اور اصلاحی پہلو قاری کی اخلاقی اصلاح پر مرکوز ہے۔ جمالیاتی اسلوب میں ہم نے دیکھا کہ عطار کا حسنِ بیان ان کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ ان کی شاعری میں ادبی لطافت بہت نمایاں ہے، اور معنوی خوبصورتی قاری کو بار بار پڑھنے پر مجبور کرتی ہے۔ ان کی شاعری قاری پر گہرا اثر ڈالتی ہے اور اسے روحانی بے خودی تک لے جاتی ہے۔ اخلاقی و فکری نتیجہ میں ہم نے دیکھا کہ عطار کی تمثیلوں نے قاری کے اندر اخلاقی شعور پیدا کیا ہے، اسے روحانی طور پر تربیت دی ہے، اس کی فکری سطح کو بلند کیا ہے، اور عملی زندگی کے لیے رہنمائی فراہم کی ہے۔ یہ تحقیق اس اہم نتیجے پر ختم ہوتی ہے کہ عطار نے تمثیل اور جمالیاتی اسلوب کے ذریعے اخلاقِ نبوی کو ایک ایسی شکل دی ہے جو صدیوں تک قارئین کے دلوں میں زندہ رہے گی۔ ان کا کلام نہ صرف ادبی اعتبار سے بلکہ اخلاقی اور روحانی اعتبار سے بھی ایک قیمتی تحفہ ہے۔

## References:

1 Farīd al-Dīn ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, taṣḥīḥ Muḥammad Riżā Shafīʿī Kadkanī (Tihrān: Sukhan, 1386 SH), p. 15

2 ʿAṭṭār, Ilāhī-nāmah, p. 15

3 Saʿdī Shīrāzī, Gulistān, taṣḥīḥ Muḥammad ʿAlī Furūghī (Tihrān: Amīr Kabīr, 1364 SH), p. 12

4 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 12

5 ʿAṭṭār, Ilāhī-nāmah, p. 8

6 Mawlānā Jalāl al-Dīn Rūm, Mathnawī-yi Maʿnawī, taṣḥīḥ Reynold Nicholson (Tihrān: Nashr-i ʿIlm, 1384 SH), daftar-i awwal, bayt 234

7 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 234

8 ʿAṭṭār, Ilāhī-nāmah, p. 12

9 Ḥāfiẓ Shīrāzī, Dīwān-i Ḥāfiẓ, ba-kūshish-i Muḥammad Qazvīnī wa Qāsim Ghanī (Tihrān: Zawwār, 1320 SH), ghazal no. 187

10 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 18

11 ʿAṭṭār, Ilāhī-nāmah, p. 432

12 Iqbāl, Muḥammad, Bāl-i Jibrīl (Lāhaur: Idārah-i Iqbāliyāt, 1935), p. 123

13 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 23

14 Ibid. 28

15 ʿAṭṭār, Ilāhī-nāmah, p. 23

16 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 67

17 ʿAṭṭār, Ilāhī-nāmah, p. 201

18 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 138

19 Ibid., p. 398

20 ʿAṭṭār, Ilāhī-nāmah, p. 430

21 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 245

22 Ibid., p. 234

23 ʿAṭṭār, Ilāhī-nāmah, p. 190

24 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 172

25 Ibid., p. 15

26 Ibid., p. 1

27 Ḥāfiẓ, Dīwān-i Ḥāfiẓ, ghazal no. 256

28 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 89

29 ʿAṭṭār, Ilāhī-nāmah, p. 112

30 Mawlānā Rūm, Mathnawī-yi Maʿnawī, daftar-i duwwum, bayt 345

31 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 289

32 ʿAṭṭār, Ilāhī-nāmah, p. 358

33 Iqbāl, Muḥammad, Asrār-i Khudī (Lāhaur: Idārah-i Iqbāliyāt, 1930), p. 67

34 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 400

35 ʿAṭṭār, Ilāhī-nāmah, p. 432

36 Mawlānā Rūm, Mathnawī-yi Maʿnawī, daftar-i awwal, bayt 123

37 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 92

38 ʿAṭṭār, Ilāhī-nāmah, p. 312

39 Ibid., p. 323

40 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 398

41 ʿAṭṭār, Ilāhī-nāmah, p. 298

42 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 289

43 Ibid., p. 297

44 ʿAṭṭār, Ilāhī-nāmah, p. 300

45 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 345

46 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 245 (Yih ḥadīth-i Nabawī hai, dekhiye: Sunan al-Tirmidhī, Kitāb al-Birr wa-al-Ṣilah, no.: 1987)

47 ʿAṭṭār, Ilāhī-nāmah, p. 67

48 ʿAṭṭār, Manṭiq al-Ṭayr, p. 123 (Yih ḥadīth-i Nabawī hai, dekhiye: Ṣaḥīḥ al-Bukhārī, Kitāb al-Īmān, no.: 10)